۱۵۹

فکرِ اقبالؒ میں یقین کی اہمیّت

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

رانا غلام شبیر

فکرِ اقبال میں یقین کی اہمیت

قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں آج بھی ہمارے لیے لمحۂ فکریہ اور تازیانۂ عبرت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ ایک مسلّم صداقت ہے کہ فطرت قوموں کے اجتماعی گناہوں کو کبھی معاف نہیں کرتی۔ قومیں افراد سے مجتمع اور منضبط ہوتی ہیں اس لیے افراد کی مؤثر رہنمائی کے لیے قوموں کو ایک ایسے رہبرِ فرزانہ کی ضرورت ہوتی ہے جو دیدہ ور کا مقام رکھتا ہو۔ تاریخ گواہ ہے کہ صدیوں میں کوئی دانائے راز اپنے افکار کی ضیاپاشیوں سے اہلِ عالم کے اذہان کو منور کرنے کے لیے دنیا میں آتا ہے۔

اقبال کو بھی شرق و غرب میں ایک ایسے مینارۂ نور کی حیثیت حاصل ہے جس کی فکری ضیاؤں نے ذہنوں کی تاریکی کا قلع قمع کر دیا۔ ایک ایسی قوم جو استبدادی قوتوں کے شکنجے میں جکڑی غلامی کے صبر آزما دور سے گزر رہی تھی، اقبال کا پیغام اس کے لیے بانگِ درا ثابت ہوا اور فکرِ اقبال کے اعجاز سے برِ صغیر کے مسلمانوں کو یقین اور خود اعتمادی کی وہ انمول دولت اور جرأت نصیب ہوئی جس کو بروئے کار لا کر مسلمانوں نے حالات کا رخ پھیر دیا۔

اقبال کے عہد میں حالات کا دھارا جس سمت جا رہا تھا اس کے مضرت رساں اثرات میں سب سے زیادہ ہولناک اور تباہ کن بے یقینی کی وہ کیفیت تھی جو جہد و عمل کی راہوں کو مسدود کر رہی تھی۔ استبداد اور استحصال کی مسموم فضا اس بے یقینی کو طول دے رہی تھی۔

ان کرب ناک حالات میں ملت کے جملہ امراض کا اقبال نے ایک نباض کی حیثیت سے بغور جائزہ لیا اور تمام امراض کی جڑ یعنی بے یقینی کے خاتمہ کے لیے لائحہ عمل تجویز کیا۔

یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ ان حالات میں اقبال نے ملتِ اسلامیہ کو مایوسیوں کے گرداب سے

IqbalCyberLibrary
All rights reserved

نکال کر عزم و عمل کے ذریعے روشن مستقبل کی طرف گامزن ہونے کا جو پیغام دیا وہ محکومی کی تاریک شب میں قندیل ثابت ہوا۔ انہوں نے بے یقینی کی مسموم فضا کا تریاق تلاش کیا اور بے عملی پر کاری ضرب لگائی ؎

یقیں مثل خلیل آتش نشینی
یقیں اللہ مستی خود گزینی
سن اے تہذیبِ حاضر کے گرفتار!
غلامی سے ہے بدتر بے یقینی!

افکارِ اقبال میں یقین پر خصوصی زور دیا گیا ہے۔ اقبال کے پیشِ نظر ملّی تعمیر اور قومی نشاۃ الثانیہ کا عظیم الشان اور کٹھن مرحلہ تھا۔ یہ ایک بہت بڑا چیلنج تھا جسے اقبال نے یقین اور اعتماد کی مؤثر تعلیم کے ذریعے عہدہ برا ہو کر دورِ ابتلاء میں منزل کی جانب رہنمائی کی۔

ایک عظیم اسلامی مفکر کی حیثیت سے اقبال نے اسلام کی آفاقی تعلیمات کو اپنے افکار کا محور بنایا۔ اقبال کی شاعری کا منبع قرآنِ حکیم اور سنتِ نبویؐ ہے۔ بنیادی طور پر فکرِ اقبال میں توحید پہ کامل یقین پر انتہائی زور دیا گیا ہے۔ اقبال نے توحید کو ایک زندہ قوت کی حیثیت سے صدقِ دل سے اور کامل ایقان سے مرکزِ یقین بنانے پر زور دیا ہے۔ یہی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا تقاضا بھی ہے۔

ارشادِ ربانی ہے کہ:

"جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے گا تو ایسے شخص کے لیے نارِ جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔" (الجنّ: ۲۳)

کائنات کی وسعتوں میں خالقِ کائنات کی قدرت کے لاتعداد مظاہر ہمیں عقیدۂ توحید کی صداقت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے لیے قائل کرتے ہیں۔ اگر ہم اپنے گردوپیش پر نظر ڈالیں تو ہمارے قلوب اور اذہان توحید کی عظمت کو تسلیم کرتے ہیں اور وجدانی کیفیت میں انسان پکار اٹھتا ہے کہ خالقِ کائنات کی عظمت کے یہ سب مظاہر ہیں:

"بڑا ہی خیر و برکت والا ہے اللہ، جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔"
(المومنون: ۱۴)

توحید کی عظمت کا معترف ہونے کے لیے ضروری ہے کہ انسان ارض و سما کی وسعتوں کا بنظرِ غائر مشاہدہ کرے تاکہ وہ اپنے خالق کی قدرتِ کاملہ کا احساس کر سکے اور اسے یقین ہو کہ نظامِ ہستی چلانے والی قوت، لازوال، بے مثل و بے مثال ہے۔ قرآنِ حکیم میں اسی یقین کو حرزِ جاں بنانے کی تلقین کی گئی ہے۔

"بے شک آسمانوں اور زمین میں ایمان والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور خود تمہارے اور ان حیوانات کے پیدا کرنے میں جن کو زمین پر پھیلا رکھا ہے، یقین کرنے والوں کے لیے دلیلیں ہیں"
(الجاثیہ: ۳-۴)

کلامِ اقبال میں بھی توحید پر یقینِ کامل کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ اس ناتمام کائنات میں دمادم صدائے کُن فیکون آ رہی ہے۔ ہر لحہ تغیّر پذیر نظامِ کائنات کے اسرار و رموز کو سمجھنے کے لیے بصیرت کی ضرورت ہے تاکہ انسان صدقِ دل سے اپنے خالق کی عظمت پر ایمان لا سکے۔

خرد دیکھے اگر دل کی نگاہ سے
جہاں روشن ہے نورِ لا الٰہ سے

در جہاں کیف و کم گردید عقل
پے بہ منزل بُرد از توحید عقل

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکوں

ماسوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تری
تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تری

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

ہم نشیں! مسلم ہوں میں، توحید کا حامل ہوں میں
اس صداقت پر ازل سے شاہدِ عادل ہوں میں

نبضِ موجودات میں پیدا حرارت اس سے ہے
اور مسلم کے تخیّل میں جسارت اس سے ہے

WWW.IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

اقبال نے توحید پر مکمل یقین کو اسلامی تعلیمات سے مربوط کیا اور لادینی عناصر کو منہ توڑ جواب دیا۔ اس طرح ایک ایسی لائقِ تحسین فکری رہنمائی کا سلسلہ شروع ہوا جس کے اثرات مسلّم ہیں:

بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بُت خانہ ہو تو کیا کہیے
خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تُو زباں تُو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تُو ہے

اقبال کے ہاں فکری ارتقاء کا سلسلہ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ انہوں نے قرآنِ حکیم کی تعلیمات کی روشنی میں مسلمانوں کی ذہنی بیداری اور فکری رہنمائی کے لیے ان میں یقین اور اعتماد پیدا کرنے کی انتھک مساعی کیں۔ ان کے ابتدائی دور کے کلام کا مطالعہ کریں تو بسا اوقات یہ شائبہ ہوتا ہے کہ وہ نظریۂ وحدت الوجود سے متاثر ہیں۔

چمک تیری عیاں بجلی میں، آتش میں، شرارے میں
جھلک تیری ہویدا چاند میں، سورج میں، تارے میں
بلندی آسمانوں میں، زمینوں میں تری پستی
روانی بحر میں، افتادگی تیری کنارے میں
جو ہے بیدار انساں میں وہ گہری نیند سوتا ہے
شجر میں، پھول میں، حیواں میں، پتھر میں، ستارے میں

تصوف کے بارے میں اختلافی امور سے قطع نظر ایک بات قطعی الثبوت ہے کہ ہر مکتبہ اقبال کے پیش نظر جو ارفع مقاصد تھے وہ یہ تھے کہ اقتضائے وقت کے مطابق مسلمانوں میں عقیدۂ توحید پر یقینِ کامل کو پختہ تر کیا جائے تاکہ وہ باطل قوتوں کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن جائیں اور اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کے دوران وہ ماسوا اللہ کو خاطر میں نہ لائیں۔ اس طرح وہ نہایت یقین اور اعتماد کے ساتھ آگے بڑھ سکیں گے، جس کے نتیجے میں برِصغیر کے مسلمان بالخصوص ملّی نشاۃ الثانیہ میں مؤثر کردار ادا کر سکیں گے۔

قرآنِ حکیم میں "الوہیت" کا نہایت جامع تصوّر موجود ہے۔ اقبال نے اسی تصوّر کو کمالِ دانش مندی اور بصیرت کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے اشعار کے قالب میں ڈھالا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اور جنہیں علم سے بہرہ نہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا۔ ہمارے پاس کوئی نشان (عظیم) کیوں نہیں آجاتا۔ اسی طرح وہ لوگ کہہ چکے ہیں، جو ان سے پہلے ہو چکے ہیں۔ انہیں کا سا کہنا ان کے قلوب، متشابہ ہو گئے ہیں۔ ہم نے اپنے نشان تو کھول دیے ہیں ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں۔"
(البقرہ: ۱۱۸)

اس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مظاہرِ قدرت کے مشاہدے کے بعد ہمیں لاتعداد ایسی نشانیاں نظر آتی ہیں جنہیں دیکھ کر خالقِ کائنات کی عظمت کا نقش دلوں پر ثبت ہو جاتا ہے اور اس طرح یقین کی وہ لازوال دولت نصیب ہوتی ہے جو تعمیرِ سیرت و کردار میں نمایاں کام سرانجام دیتی ہے۔ یہی وہ قوت ہے جو انسان کو مسخر کرنے پر قادر ہے۔ اسی کو اقبال نے اپنی شاعری کی اساس بنایا ہے

کہہ گئے ہیں شاعری جزویست از پیغمبری
ہاں سنا دے محفلِ ملت کو پیغامِ سروش
حق نے عالم اس صداقت کے لیے پیدا کیا
اور مجھے اس کی حفاظت کے لیے پیدا کیا
دہر میں غارت گرِ باطل پرستی میں ہوا
حق تو یہ ہے حافظِ ناموسِ ہستی میں ہوا
نخلِ اسلام نمونہ ہے برومندی کا
پھل ہے یہ سینکڑوں صدیوں کی چمن بندی کا

نظامِ ہستی کا مسلسل اور منضبط انداز میں رواں دواں رہنا، گردشِ لیل و نہار اور حیات و ممات کا سلسلہ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ عظیم ہستی جو اس سارے نظام کی خالق ہے اس پر ایمان لایا جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات دن کے بدلنے میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔"
(آل عمران ۱۹۰)

"کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور اس نے سورج و چاند کو کام میں لگا رکھا ہے۔"
(لقمان: ۲۹)

قرآنِ حکیم کی محولہ بالا آیاتِ مقدسہ میں یقینِ کامل اور توحید پر ایمان لانے کے لیے ٹھوس نشانیوں کی جانب متوجہ کرتی ہیں۔ کلامِ اقبال میں توحید پر یقین کے لیے جو استدلال پیش کیا جاتا ہے اس کا ماخذ و منبع بھی قرآنِ حکیم ہی ہے۔

سلسلۂ روز و شب، نقش گرِ حادثات
سلسلۂ روز و شب، اصلِ حیات و ممات
سلسلۂ روز و شب، تارِ حریرِ دو رنگ
جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
سلسلۂ روز و شب، سازِ ازل کی فغاں
جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بمِ کائنات

افکارِ اقبال میں قادرِ مطلق کی ہستی پر یقین کو ایک فطری حقیقت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ ان کے اشعار میں اسلامی تعلیمات کا پرتو نمایاں ہے۔ اس طرح قادرِ مطلق کو اس کائنات میں مقتدرِ اعلیٰ و تخلیق کارِ حیات و ممات کی حیثیت حاصل ہے۔

توحید پر کامل یقین کی یہ کیفیت عشقِ الٰہی کے پُرکیف لمحات فراہم کرتی ہے جس کے باعث سے حسنِ کائنات سے آگاہی حاصل ہوتی ہے اور توحید پر یقین کے ساتھ ساتھ عشقِ الٰہی کے وجدان سے فہم و ادراک کے متعدد در وا ہوتے ہیں جو فکر و نظر کو مستنیر کرتے ہیں۔ یہی سرمدی کیفیت عرفانِ ذات کے انبساط سے آشنا کرتی ہے۔ ذات پر اعتماد اور یقین ہی اقبال کے شہرۂ آفاق تصورِ خودی کی اساس ہے

زمین و آسمان و کرسی و عرش
خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

از محبت چوں خودی محکم شود
قوتش فرماندۂ عالم شود
پنجۂ او پنجۂ حق می شود
ماه از انگشتِ او شق می شود

عرفانِ ذات کی بدولت ہی انسان خالقِ کائنات کی حکمت کا ادراک حاصل کر سکتا ہے

پابندیِ تقدیر کہ پابندیِ احکام
یہ مسئلہ مشکل نہیں اے مردِ خردمند
اک آن میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر
ہے اس کا مقلّد ابھی ناخوش ابھی خورسند
تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند

عشقِ الٰہی درحقیقت توحید پر کامل یقین کا ثمر ہے۔ اقبال کے پیشِ نظر اہم بات یہ ہے کہ انسان توحید پر کامل یقین کے بعد اپنے دل میں خالقِ کائنات سے عشقِ حقیقی کے جذبات کو موجزن پائے گا اور خودی کے اسرار و رموز اس کی دسترس میں ہوں گے۔ اس طرح فکر و عمل میں نمایاں تبدیلی رونما ہو گی جو انسانی زندگی میں مسلسل کامیابیوں اور کامرانیوں کو یقینی بنائے گی۔

اقبال اس بات کو بہت اہم قرار دیتے ہیں کہ توحید پر صدقِ دل سے یقین اور ایمان ہی کی بدولت انسان اس منزل تک پہنچ سکتا ہے جہاں وہ ناممکن کو ممکن بنانے پر قادر ہو جاتا ہے۔ اس طرح وہ بندۂ آفاق نہیں بلکہ صاحبِ آفاق بن جاتا ہے۔ یہ عشقِ یدا للّٰہی ہے جو انسان کو غیر معمولی قوت اور یقین کی لازوال دولت فراہم کرتا ہے۔ اقبال کے نزدیک جذبۂ عشق ایک ایسی قوت کا نام ہے جو دوامی اثرات کی حامل ہے۔ جس کی بدولت انسان تسخیرِ فطرت کو ممکن بنا سکتا ہے۔

کبھی تنہائیِ کوہ و دمنِ عشق
کبھی سوز و سرورِ انجمنِ عشق
کبھی سرمایۂ محراب و منبر
کبھی مولا علیؓ، خیبر شکن عشق

یہ فکرِ اقبال کا دائمی اور ہمہ گیر پہلو ہے جس کی بدولت یقینِ محکم اور عملِ پیہم کے زور سے انسان اپنی تقدیر بدل سکتا ہے۔ آج بھی اگر توحید کی اہمیت اور عظمت کا صدقِ دل سے اعتراف کر لیں تو کوئی وجہ نہیں کہ آگ اندازِ گلستاں پیدا نہ کرے۔ خالقِ کائنات کی عظمت کا نقش جب دلوں پہ ثبت ہو جاتا ہے تو پھر انسان مال و دولتِ دنیا کو تہِ وہم و گمان سمجھ کر ان کے بے وقعت اور کم مایہ ہونے کا اعتراف کرتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق کہنے سے خوفزدہ نہیں ہوتا۔ یہ یقین ہے جو وہ فقید المثال اعتماد عطا کرتا ہے جس کے اعجاز سے انسان زیرِ تیغ بھی کلمۂ حق ادا کرنے کا فریضہ انجام دے سکتا ہے۔ فکرِ اقبال کے

غائر مطالعہ اور تجزیہ کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یقین کے بغیر کائنات کے اسرار و رموز سے کامل آگہی ممکن نہیں۔ اس مقصد کے لیے توحیدِ باری تعالیٰ پر غیر متزلزل یقین بے پناہ اہمیت کا حامل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"خدا خود شاہد ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور صاحبانِ علم بھی جو انصاف پر قائم ہیں اس (صداقت) کے گواہ ہیں"۔ (آلِ عمران: ۱۸)

"اے انسان! کیا تو دیکھتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو جو زمین پر ہیں تیرے لیے مطیع بنا دیا ہے"۔ (الحج: ۶۵)

توحید پر یقین کے لیے ٹھوس شواہد اور لاتعداد مثالیں اس کائنات میں موجود ہیں۔ ان ازلی اور ابدی دائمی صداقتوں پر ایمان لانا منصفانہ سوچ کا آئینہ دار ہے، صرف بصیرت کی ضرورت ہے۔

قرآنِ حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے ستارے بنائے کہ بیابانوں میں اور سمندر کے وسیع و عریض اندھیروں میں ان کی علامتوں سے راہ پاؤ۔ بلاشبہ ان لوگوں کے لیے جو جاننے والے ہیں (ہم نے) اپنی ربوبیت اور رحمت کی نشانیاں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں"۔ (الانعام: ۹۸)

اقبال توحید پر یقین کے مثبت اثرات اور عملی زندگی میں اس یقین کے فوائد کو بہت اہم مقام دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں یقین وہ لافانی جذبہ ہے جو انسان کو حقیقتِ ابدی کے مفہوم سے روشناس کراتا ہے ؎

گرچہ دارد لا الٰہ اندر نہاد
از بطونِ او مسلمانے نزاد
آنکہ بخشد بے یقیناں را یقیں
آنکہ لرزد از سجودِ او زمیں
آنکہ زیرِ تیغ گوید لا الٰہ
آنکہ از خونش بروید لا الٰہ
لذتِ سوزد سرودِ لا الٰہ
در شبِ اندیشہ نورِ لا الٰہ

مومن از رمزِ مرگ آگاہ نیست
در دلش لا غالب الا اللہ نیست

اقبال نے اسلام کو ایک مکمل ضابطۂ حیات تسلیم کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ دل و نگاہ میں تسلیم کا جذبہ پیدا ہو۔ اس کے بغیر ممکن ہی نہیں کہ انسان اعتماد کے ساتھ وسعتِ افلاک اور کائنات کے اسرار سے آگاہی حاصل کر سکے۔ وہ ہستی جو پوری کائنات کا نظام چلا رہی ہے وہی اوّل و آخر ہے اور اس کی قدرت کا احاطہ عقل نہیں کر سکتی۔

اقبال نے توحید کی حقانیت کو بڑے اعتماد سے بیان کیا ہے جبکہ فکرِ اقبال کے تبلیغی اور تعلیمی پہلوؤں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کلامِ اقبال کو ایک مذہبی صحیفہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اقبال کے سرمایۂ فکر میں یقین کی لازوال دولت ہمیشہ دلوں کو گرماتی رہے گی ؎

مردِ میداں زندہ از اللہ ہُوست
زیر پائے او جہانِ چار سُوست
برخور از قرآں اگر خواہی ثبات
در ضمیرش دیدہ ام آبِ حیات
می دہد ما را پیامِ لا تخف
می رساند بر مقامِ لا تخف
قوت سلطان و میر از لا الٰہ!
ہیبتِ مردِ فقیر از لا الٰہ!
تا دو تیغِ لا و اِلّا داشتیم
ماسوا اللہ را نگذاشتیم
دارم اندر سینہ نورِ لا الٰہ
در شرابِ من سرورِ لا الٰہ

اقبال نے ایک عظیم اسلامی مفکر کی حیثیت سے توحید پر یقین کے بارے میں اپنے نظریات مسلّمہ صداقتوں کے مظہر ثابت کیے ہیں۔

فکرِ اقبال کے مطالعہ سے ہمیں بخوبی یقین ہو جاتا ہے کہ اقبال کسی غیر مسلم مفکر سے متاثر نہیں بلکہ ان کے افکار کی کرنیں توحید کی حرارت لیے ہوئے ہیں۔ انہوں نے واشگاف الفاظ میں کہا کہ اگر ہم نے اپنے رازق کو

نہ پہچانا تو ہم محتاجِ ملوک بن جائیں گے لیکن اپنے خالق کی عظمت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے سے ہمیں ہزاروں سجدوں سے نجات مل سکتی ہے۔

جب انسان رحمتِ باری کا خواستگار ہو اور اسے یقین ہو جائے کہ خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں، وہی تمام مسائل اور مصائب سے نجات دلا سکتا ہے تو پھر دنیاوی مال و دولت اور رشتہ و پیوند کی بے وقعتی اور کم مائیگی اس پر آشکارا ہو جاتی ہے ؎

یہ مال و دولتِ دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں، لا الٰہ الا اللہ
یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں، لا الٰہ الا اللہ

قرآنِ حکیم میں نہایت واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ تمام مخلوقات کا خالقِ حقیقی ہر لمحہ مخلوق کی دستگیری کے لیے موجود ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ یقین کے ساتھ اپنے معبود کو مدد کے لیے پکارا جائے خالق اور مخلوق کے درمیان حائل پردوں کو ہٹا کر یقین کے ساتھ اس کے آگے دستِ سوال دراز کیا جائے تو یقیناً وہ بے نیاز اپنے نیازمندوں کے لیے اپنا دستِ کرم کشادہ کر دیتا ہے۔

فرمانِ خداوندی ہے:

"تم جہاں بھی ہو وہ (اللہ) تمہارے ساتھ ہے"۔

(الحدید: ۴)

"مجھے پکارو (مجھ سے مانگو) میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا"۔

(المومنون: ۶۰)

"وہ کون ہستی ہے کہ جب بے قرار آدمی اس کو پکارتا ہے تو اس کی سنتا ہے اور اس کی مصیبت کو دور کر دیتا ہے"۔

(النمل: ۶۲)

اقبال کے اشعار میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ ناامیدی اور مایوسی کو ترک کر کے یقین کے ساتھ اپنے خالق کی مدد پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ بے یقینی کافری نہیں تو اور کیا ہے ؎

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

انسان کو یقین ہونا چاہیے کہ قادرِ مطلق کی بخشش اور رحمت لامحدود ہے۔ اس کی گرفت سے کوئی بھی بالاتر نہیں لیکن اس کے باوجود اس سے معفرت کا طلب گار ہونا نہایت مستحسن بات ہے ؎

کشادہ دستِ کرم جب وہ بے نیاز کرے
نیاز مند نہ کیوں عاجزی پہ ناز کرے

اقبال نے اپنے کلام میں احکاماتِ الٰہی کو نہایت دل نشیں انداز میں بیان کر کے مسلمانوں کو توحید پر مکمل یقین رکھنے کی تلقین کی۔ اس طرح انہیں استغنا کی وہ دولت نصیب ہو سکتی ہے جس کے سامنے شانِ سکندری اور جلالِ قیصری، ہیچ ہیں۔

اقبال قرآنِ حکیم کو مسلمانوں کے لیے بہت بڑی دولت اور ثروت قرار دیتے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ قرآن ہی سے ذہنی بیداری کا سامان فراہم ہوتا ہے۔ قرآنِ حکیم کے مضامین اور ہمہ گیر نظامِ حیات کو اقبال نے ہمیشہ مقیاس العمل قرار دیا ؎

آں کتابِ زندہ، قرآنِ حکیم
حکمتِ او لایزال است و قدیم
نسخۂ اسرارِ تکوینِ حیات
بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
حرف او را ریب نے تبدیل نے
آیہ اش شرمندۂ تاویل نے
نوعِ انساں را پیامِ آخریں
حاملِ او رحمۃ للعالمیں
اوج میگیرد ازو نا ارجمند
بندہ را از سجدہ سازد سربلند
گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

فکرِ اقبال میں یقین کی یہی حیات آفریں قوت اذہان کو مستنیر کرنے پر قادر ہے۔ ان کے ہاں، ہمیں کہیں بھی تذبذب اور گومگو کی کیفیت نظر نہیں آتی۔ ماضی، حال اور مستقبل کے امور و واقعات سے مزین ایک حسین گلدستہ دل و دماغ کو معطر کر کے امید کے ساتھ اعتماد کی فضا کو جنم دیتا ہے۔ ان کے افکار

نہ صرف اسلامی تعلیمات سے کامل ہم آہنگی کے مظہر ہیں بلکہ بسا اوقات تو ان پر الہامی ہدایات کا گمان ہوتا ہے۔ ان کا استدلال یقین پر مبنی ہوتا ہے اور حقائق کو منکشف کرتا ہے۔

اقبال قرآنِ حکیم کو سرچشمۂ ہدایت تصور کرتے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ اگر مسلمان قرآن میں غوطہ زن ہو کر رہنمائی کا گوہرِ آبدار تلاش کریں تو انہیں کردار کی رفعتیں نصیب ہو سکتی ہیں۔ توحید کی عظمت کا حقیقی اندازہ قرآنِ حکیم کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔

اقبال نے ایک عارف کی حیثیت سے توحید کی حد اقتوں کو واضح کیا۔ ان کے اشعار میں حقائق کا برملا اظہار ان کے یقین کے بیّن ثبوت ہے۔ اقبال نے توحید کو علم العقائد کا مسئلہ بننے کو پسند نہیں کیا بلکہ وہ ذاتِ باری تعالیٰ کو بے مثل و بے مثال زندہ قوت کی حیثیت سے متعارف کراتے ہیں ؎

اے پسر ذوق نگاہ از من بگیر
سوختن در لا الٰہ از من بگیر
لا الٰہ گوئی بگو از روئے جاں
تا ز اندامِ تو آید بوئے جاں
مہر و ماہ گردد ز سوزِ لا الٰہ
دیدہ ام ایں سوز را در کوہ و کاہ
ایں دو حرفِ لا الٰہ گفتار نیست
لا الٰہ جز تیغ بے زنہار نیست
زیستن با سوز او قہاری است!
لا الٰہ ضرب است و ضرب کاری است!

غیر اللہ کا خوف ایک ایسا عنصر ہے جس کی وجہ سے عمل کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ اقبال نے اس تباہ کن عنصر یعنی خوف کا ازالہ کرنے کے لیے قوتِ ایمان اور توحید پر یقینِ محکم کو ناگزیر قرار دیا ہے۔ صرف اسی صورت میں بندہ اپنے رب کے فضل و کرم کا مستحق ٹھہرتا ہے اور دین و دنیا میں سرفراز ہو سکتا ہے ؎

قوتِ ایماں حیات افزائدت
وردِ "لا خوفٌ علیہم" بائدت
چوں کلیمے سوئے فرعونے رود
قلبِ او از لا تخف محکم شود

صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیل
یہ نکتہ وہ ہے جو پوشیدہ لا الٰہ میں ہے

خوفِ حق عنوانِ ایماں است و بس
خوفِ غیر از شرکِ پنہاں است و بس

یقین کا جو تصور کلامِ اقبال کا امتیازی وصف ہے اس کے مثبت اثرات بے انتہا ہیں۔ یہ امید، حوصلہ اور عزم کا نقیب ہے۔ اقبال نے آرزو کی جو شمع فروزاں کی وہ یقینِ محکم کے ذریعے ہمیشہ زندگی کی شبِ تاریک میں قندیل کا کام دے گی۔

مسلم استی سینہ را از آرزو آباد دار
ہر زماں پیشِ نظر لایخلف المیعاد دار

یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ اگر دلوں میں یقین اور امید کے جذبات موجزن ہوں تو مایوسی کے مسموم اثرات سے گلوخلاصی ممکن ہے۔

اقبال کے عظیم الشان قصرِ شاعری کی بنیاد توحید اور رسالت کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ وہ اسلامی تعلیمات کے مبلغ اور شمعِ رسالت کے پروانے تھے۔ حضور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات سے انہیں قلبی تعلق تھا۔ وہ عشقِ رسولؐ کو جزوِ ایمان سمجھتے تھے انہیں یقین تھا کہ مسلمانانِ عالم کے لیے حضورؐ کی ذات تمام آرزوؤں اور امیدوں کا محور ہے۔ حضورؐ کی ذات ہی باعثِ تخلیقِ کائنات ہے۔ قرآنِ حکیم میں حضورؐ کی شان میں متعدد آیات موجود ہیں۔

اقبال نے اس بات پر زور دیا کہ مسلمان قرآن کے اسرار و رموز کو سمجھیں اور ان سے آگاہی حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی شان میں جو آیات نازل کیں، اقبال نے انہیں اپنے سرمایۂ شعر میں فکری اساس کے طور پر استعمال کیا۔

حضورؐ کا ذکر کرتے ہوئے اقبال کے جذبات و احساسات کی وجدانی کیفیت نمایاں ہوتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی"۔ (النسا: ۸۰)

"جو کچھ تمہیں رسولؐ حکم دیں، اسے مان لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے رک جاؤ"۔ (الحشر: ۵۷)

"پس نہیں، اے نبیؐ تمہارا رب گواہ ہے کہ یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے، جب تک آپس کے معاملات میں آپؐ کو حکم نہ بنائیں اور پھر آپؐ کے فیصلہ پر بلا کسی دلی تنگی کے آمادگی کے ساتھ سرِ تسلیم خم نہ کر دیں۔"

(النساء: ۶۵)

"ہم نے جس رسول کو بھیجا اسی لیے بھیجا کہ اذنِ خداوندی کے مطابق، اس کی اطاعت کی جائے۔" (النساء: ۶۴)

"محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ البتہ اللہ کے رسولؐ ہیں اور (سب) نبیوں کے ختم پر ہیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔"

(الاحزاب: ۴۰)

جب ہم کلامِ اقبال کا مطالعہ کرتے ہیں تو قرآن حکیم کے مضامین اور ان کے مفاہیم کو ہر جگہ جلوہ گر پاتے ہیں یہ عشقِ الٰہی اور عشقِ رسولؐ کا اعجاز ہے جس نے اقبال کو ملتِ اسلامیہ کا اقبال بنا دیا۔ وہ نہایت یقین اور اعتماد کے ساتھ ان خیالات کا اظہار کرتے ہیں کہ حضورؐ کی محبت ہی وہ واحد راہِ عمل ہے جس پر گامزن ہو کر انسان دین و دنیا میں مفتخر ہو سکتا ہے۔

اقبال نے عشقِ الٰہی کے ساتھ ساتھ عشقِ رسولؐ کو بھی دین و دنیا کی فلاح کے لیے ناگزیر قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بنی نوعِ انسان پر یہ احسانِ عظیم ہے کہ حضورؐ کو رحمتِ عالم بنا کر اس کائنات میں بھیجا۔ حضورؐ کی ذات مسلمانوں کے لیے لائقِ تقلید نمونہ ہے۔ اس موضوع پر بھی اقبال کے افکار کے منابع قرآن حکیم میں موجود ہیں[۹]

دینِ فطرت از نبیؐ آموختیم!
در رہِ حق مشعلے افروختیم!
ایں گہر از بحرِ بے پایانِ اوست
ما کہ یکجا نیم از احسانِ اوست!
تا نہ ایں وحدت ز دستِ ما رود
ہستیِ ما با ابد ہمدم شود
پس خدا بر ما شریعت ختم کرد
بر رسولِؐ ما رسالت ختم کرد

رونق از ما محفلِ ایام را
او رسل را ختم و ما ایام را
لا نبی بعدی ز احسانِ خداست
پردۂ ناموسِ دینِ مصطفیٰ است

اقبال اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ مسلمانوں کے جملہ مصائب کا بنیادی سبب یہ ہے کہ بحیثیتِ قوم انھوں نے اپنی شناخت پر توجہ نہیں دی اور بتانِ رنگ وخوں کے طلسم میں گرفتار ہو کر باہم برسرِ پیکار ہیں۔ مسلمانوں کی اس باہمی آویزش کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر لحاظ سے پسماندگی اُن کا مقدر بن گئی۔ فرقہ واریت نے اس انتشار کو مزید ہوا دی۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا کا عظیم درس طاق نسیاں میں رکھ دیا گیا۔ سب سے بڑھ کر المیہ یہ ہوا کہ حضورؐ کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت کو فراموش کر دیا گیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو شریعت نافذ کی وہ احکامِ الٰہی کی تفسیر ہے۔ کائنات کا سارا نظام حضورؐ کی ذات کا رہینِ منّت ہے۔

مصطفیٰ داد از رضائے او خبر
نیست در احکامِ دیں چیزے دگر
ہست دینِ مصطفیٰ، دینِ حیات
شرعِ او تفسیرِ آئینِ حیات
گر زمینی آسماں سازد ترا
آں چہ حق می خواہد آں سازد ترا
خستہ باطنی استوارت می کند
پختہ مثلِ کوہسارت می کند

اعتماد اور یقین کا جو تاثر محولہ بالا اشعار میں موجود ہے وہ فکرِ اقبال کا طرۂ امتیاز ہے۔ عشقِ رسولؐ سے سرشار ہو کر اقبال نے جو اشعار لکھے وہ دلوں کو مسخر کر کے کیف و سرور کے وجدانی جذبات سے قلوب کو مسرور کرتے ہیں۔ حضورؐ نے تبلیغِ اسلام کے لیے جو مساعی کیں اور جن تکالیف کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا وہ تاریخِ اسلام کا زرّیں باب ہیں جن کا ذکر دلوں کو گرما دیتا ہے۔ مسلمانوں کی فلاح اور دین و دنیا میں سرخروئی کے لیے اتباعِ رسولؐ ناگزیر ہے۔

اقبال نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ حضورؐ کی تعلیمات اور شریعت، ازلی اور ابدی صداقتوں کی امین

ہیں جو رہتی دنیا تک اقوامِ عالم کے لیے نجات کا ذریعہ ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر دنیا کو ظلم و استحصال سے نجات مل سکتی ہے جس کی بدولت دنیا امن اور آشتی کا گہوارہ بن جائے گی۔

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنّم بھی نہ ہو
چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسّم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خُم بھی نہ ہو
بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا ایستادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

دشت میں دامنِ کہسار میں میدان میں ہے
بحر میں موج کی آغوش میں طوفان میں ہے
چین کے شہر مراقش کے بیابان میں ہے
اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے
چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ رفعنا لکَ ذکرَک دیکھے

اس کائنات میں دکھوں کے ساتھ راحتیں دوش بدوش ہیں اسی طرح ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ ان حالات میں کامیابی کا یقین ہی مصائب اور تکالیف کے کوہِ گراں سے نجات دلا سکتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ استقامت اور یقینِ محکم کا فقید المثال نمونہ ہے۔ آپ نے انتہائی صبر آزما حالات میں تبلیغِ اسلام کا سلسلہ جاری رکھا۔ کفارِ مکّہ کی ایذا رسانیوں کے جواب میں ان کے لیے دعا کی۔ قریشِ مکّہ کے ظلم و ستم کے باوجود ان کے حق میں کلمۂ خیر ہی حضورؐ کی زبان پر آیا۔ بلاشبہ اس کا سبب یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کو یقین تھا کہ یہ یا ان کی آیندہ نسلیں مشرف بہ اسلام ہو کر تبلیغ اسلام میں معاون ثابت ہوں گی۔ اقبال نے حضورؐ کی سیرتِ طیبہ سے یہ درس لیا کہ کسی بھی صورت میں امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ یہی کامیابیوں اور درخشاں مستقبل کا زینہ ہے۔ حتیٰ کہ خالقِ کائنات کی عبادت اور عشق کی بدولت زندگی کے تمام مراحل سے خوش اسلوبی سے عہدہ برآ ہونا انسان کے دائرۂ اختیار میں ہے ؎

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰؐ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں!
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں!

وہ دانائے سُبلؐ ختمِ رسلؐ مولائے کُلؐ جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیںؐ وہی طٰہٰؐ

در دلِ مسلم مقامِ مصطفیٰؐ است
آبروئے ما زنامِ مصطفیٰؐ است

خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

کلامِ اقبال میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت کے جو ثبوت ملتے ہیں وہ اقبال کے دلی جذبات اور عرفانی کیفیات کے آئینہ دار ہیں۔ اقبال نے واضح کیا کہ یہ حضورؐ کی آفاقی تعلیمات اور اسلام کی عالمگیر تحریک کا اعجاز ہے کہ آج اکنافِ عالم میں شمعِ رسالت کے پروانے تبلیغِ اسلام کی مساعی میں سرگرمِ عمل ہیں۔ اسلام دینِ فطرت ہے اور فطرت کو دوام حاصل ہے۔ اقبال کو یقین ہے کہ اسلامی تعلیمات اپنی ہمہ گیر افادیت اور معجز نما اصلاحی تحریک کے بلعث قیامت تک نوعِ انسان کی فلاح کا کام انجام دیں گی اور حضورؐ کی شریعت کو فروغ حاصل ہوگا۔ یہ بات کالنقش فی الحجر

ہے کہ اگر ملتِ اسلامیہ حضورؐ کی تعلیمات پر کما حقہٗ عمل کرے تو نہ صرف آلامِ روزگار سے نجات مل سکتی ہے بلکہ مسلمانوں کو عظمتِ رفتہ کے حصول میں بھی کامیابی نصیب ہوگی ؎

کرم اے شہِ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظر کرم
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنہیں دماغِ سکندری!

تو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر
میری دانش ہے افرنگی، میرا ایماں زناری!

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ افرنگ
سُرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

اقبال نے قول و فعل کے تضاد کی ہمیشہ مذمت کی۔ ایسا رویہ انسان کے وقار کے لیے تباہ کن ہے۔ مسلمان اس کائنات میں اللہ کا نائب ہے۔ ہمارے نبیؐ رحمت للعالمین ہیں۔ مقامِ حیرت ہے کہ مسلمان رحمتِ خداوندی کے بارے میں متذبذب ہیں؛ ایسا طرزِ فکر اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔ اس رویّے کے پسِ پردہ وہ بے یقینی ہے جو اخلاص و عمل کی نفی کرتی ہے۔ ناامیدی ایک ایسا زہر ہے جو پورے معاشرتی نظام کو مسموم کر کے ترقی کی راہیں مسدود کر دیتا ہے۔ اقبال اس موقع پر بھی پُرامید ہیں اور یقین دلاتے ہیں کہ اسوۂ رسولؐ پر عمل پیرا ہو کر مسلمان سرخرو ہو سکتے ہیں۔ بصورتِ دیگر کفر کا شکار ہوں گے ؎

کشودم پردہ را از روئے تقدیر
مشو نومید و راہِ مصطفیٰؐ گیر
اگر باور نداری آنچہ گفتم!
زدیں بگریز و مرگِ کافرے میر

اقبال نے متعدد مقامات پر اس بات پر زور دیا کہ جو شخص توحید اور رسالت کی صداقتوں پر یقینِ کامل نہیں رکھتا، اسلام کے ساتھ اس کی وابستگی لائقِ اعتنا نہیں ہے بلکہ توحید اور رسالتؐ پر صدقِ دل سے ایمان کے بغیر اُس کا مسلمان ہونا بھی قابلِ قبول نہیں۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت کو دنیا کی ہر چیز پر فوقیت دیں۔ یہی اقتضائے وقت بھی ہے اور منشائے قدرت بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت مسلمان کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہو تو حقِ محبت ادا ہو سکتا ہے اور یہی وہ ارفع معیار ہے جو ایمان کا مل

ہونے کے لیے ناگزیر ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اے نبیؐ! کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارا کنبہ، مال جو تم نے کمایا ہے، وہ تجارت جس کے گر جانے کا تمہیں اندیشہ ہے اور وہ مکانات جو تمہیں پسند ہیں، تم کو اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں، تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر کر دے۔"

(التوبہ: ۲۴)

یہ بات نہایت واضح ہے کہ جو بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کو باقی تمام چیزوں پر فوقیت نہیں دیتا اس کا یہ مذموم فعل اور خود غرضی پر مبنی اندازِ فکر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور ایسے لوگ بالآخر اللہ کے عتاب کا نشانہ بنتے ہیں۔

اقبال کے اشعار میں نہایت یقین کے ساتھ یہ بات بیان کی گئی ہے کہ توحید اور رسالت پر کامل ایقان کے بغیر تکمیلِ ایمان کا تصور ہی عبث ہے۔ اقبال کے افکار قرآنی تعلیمات سے ہم آہنگی کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔

قرآنِ حکیم میں ارشادِ خداوندی ہے:

"ہم نے اپنے رسول واضح نشانیاں دے کر بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (عدل) اتاری تاکہ انسان انصاف پر قائم رہیں۔"

(الحدید: ۲۵)

قرآنِ حکیم میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف میں متعدد آیات ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر سیرت و کردار کی رفعتوں کو چھو لیں:

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)!
بے شک آپؐ کی مزدوری نہ ختم ہونے والی ہے اور بے شک آپؐ بڑے درجے کے اخلاق پر فائز ہیں۔" (القلم: ۳-۴)

یہ بات ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت ہمہ وش ثریا ہے۔ آپؐ کی جامعیت اور اکملیت اپنی مثال آپ ہے۔ جب اس بات پر کامل یقین ہو جائے تو پھر انسان عظمتِ دنیا کا

خیال دل سے نکال دیتا ہے۔ اتباعِ رسولؐ کے ثمرات اور عشقِ رسولؐ کے فیضان کا بیان فکرِ اقبال کا نمایاں عنصر ہے۔ وہ نہایت یقین و اعتماد کے ساتھ مسلمانوں کی توجہ اس جانب مبذول کراتے ہیں کہ در در بھٹکنے کی بجائے درِ رسولؐ سے رجوع کریں جہاں سے اس قدر ملتا ہے کہ اپنی تنگیِ داماں پر ترس آتا ہے ؎

ہر کہ عشقِ مصطفیٰؐ سامانِ اوست!
بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست!

بازو ترا، توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے

نقشِ نو بر صفحۂ ہستی کشید
اُمتے گیتی کشائے آفرید
اُمتے از ماسوا بیگانۂ
بر چراغِ مصطفیٰؐ پروانۂ
اُمتے از گرمیِ حق سینہ تاب
ذرہ اش شمعِ حریمِ آفتاب
کائنات از کیفِ او رنگیں شدہ
کعبہ ہا بت خانہ ہائے چیں شدہ
خلق و تقدیر و ہدایت ابتداست
رحمۃ للعالمینی انتہاست
آں کہ بر اعدا درِ رحمت کشاد
مکہ را پیغامِ لا تثریب داد
فقر و شاہی واردات مصطفیٰؐ ست
ایں تجلی ہائے ذاتِ مصطفیٰؐ ست
ایں دو قوت از وجودِ مومن است
ایں قیام و آں سجودِ مومن است

اقبال نے مقامِ رسالت کے بارے میں جو قابلِ فخر اور لائقِ صد رشک و تحسین اندازِ بیان اختیار کیا وہ ان کے عشقِ رسولؐ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ جیسا کہ فکرِ اقبال کے مطالعہ سے ظاہر ہے انھوں نے یہ

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved. ©2002-2006

واضح انداز قرآنِ حکیم سے اخذ کیا۔ ان کے استدلال کا منبع قرآنِ حکیم ہی ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ زندگی کے جملہ امور میں پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہی ہماری مکمل رہنمائی کرتی ہے۔ جو بھی شخص حضورؐ کی محبت میں کامل نہیں وہ ایمان کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا۔ اطاعتِ رسولؐ سے یقین کی وہ دولت نصیب ہوتی ہے جو انسانی سیرت و کردار کی تعمیر کے لیے ناگزیر ہے۔

قرآنِ حکیم میں ارشادِ قدرت ہے:

"ہم نے جو رسول بھی بھیجا، اسی لیے بھیجا کہ باذنِ الٰہی اس کی اطاعت کی جائے"
(النساء: ۶۴)

"جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی"۔ (النساء: ۸۰)

"اے نبی (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)!
کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تم سے
محبت کرے گا"۔ (آلِ عمران: ۳۱)

"جو کچھ تمہیں رسولؐ دیں، اسے لے لو اور جس چیز سے منع کریں، اس سے رک
جاؤ اور اللہ سے ڈرو۔ بلاشبہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے"۔ (الحشر: ۷)

ان آیاتِ کریمہ کی روشنی میں جب ہم فکرِ اقبال کا بنظرِ غائر جائزہ لیتے ہیں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اقبال نے قرآنی آیات کو نہایت یقین کے ساتھ اپنے افکار کی اساس بنایا۔ وہ اپنے اشعار میں انہی خیالات کا اظہار کرتے ہیں جو قرآنِ حکیم کی آیات میں بیان کیے گئے ہیں۔ بادی النظر میں یہ بات واضح ہے کہ اقبال نے مسلمانوں کو عظمتِ رفتہ کے حصول کے لیے جس لائحہ عمل کی طرف متوجہ کیا وہ یقین اور اعتماد کے ساتھ عملِ پیہم ہے۔

نظرِ باقی اعتبار سے یہ امر ناگزیر ہے کہ مسلمان توحید اور رسالت کی ازلی اور ابدی صداقتوں کو حرزِ جاں بنائیں اور یہ عشق جب انسان کے رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے تو ایسی صورت میں زندگی میں بے پناہ کامیابیوں کا حصول ممکن ہو جاتا ہے۔

کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

بمصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ اُو نرسیدی، تمام بولہبی است!

یہ بات نہایت وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ ختمِ نبوت کے بارے میں رونما ہونے والے فتنۂ ارتداد پر اقبال کے تصورِ یقین نے سب سے پہلے کاری ضرب لگائی۔ اور انہوں نے ختمِ نبوت کے بارے میں نہایت واضح انداز میں منکرینِ ختمِ نبوت کی فکری سرکوبی کی۔ اقبال کا یہ جہاد اور ان کا فکری سرمایہ تاریخ کے اوراق میں آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یقینِ محکم کو ملت کی تعمیر کے لیے اقبال نے ناگزیر سرمایہ قرار دیا۔ اس یقین کی متعدد جہات ہیں جن میں توحید اور رسالت کو کلیدی مقام حاصل ہے۔ ملی اصلاح اور قومی کردار کی تعمیر کے لیے اقبال نے نہایتِ اعتماد اور یقین سے مسلمانوں کے تابناک ماضی کے حوالے دیے ہیں بالخصوص سیرتِ نبویؐ کی تابناک مثالیں ان کے کلام کو رنگا رنگ بنا دیتی ہیں۔ ایسے مواقع پر اقبال کے افکار کی روانی اور الہامی کیفیات کا تعلق احساس سے ہے ؎

بوریا ممنونِ خوابِ راحتش
تاجِ کسریٰ زیرِ پائے اُمتش
در شبستانِ حرا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید
ماند شبہا چشمِ او محرومِ نوم
تا بہ تختِ خسروی خوابید قوم
وقتِ ہیجا تیغِ او آہن گداز
دیدۂ او اشکبار اندر نماز
در دعائے نصرت آمین تیغِ او
قاطعِ نسل سلاطین تیغِ او
در جہاں آئینِ نو آغاز کرد
مسندِ اقوامِ پیشیں در نورد
از کلیدِ دیں درِ دنیا کشاد
ہمچو او بطنِ امِ گیتی نزاد
در نگاہِ او یکے بالا و پست
با غلامِ خویش بر یک خواں نشست

اقبال ان تاریخی حقائق کی طرف متوجہ کرتے ہیں جب حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عدل اور مساوات کا علم بلند کیا اور دنیا سے استحصال اور ناانصافی کے خاتمہ کے لیے ملوکیت کے ایوانوں کو مسمار کرنے کے لیے مساعی کا آغاز کیا۔ یہ اسی تاریخی جدوجہد کا ثمر ہے کہ مسلمانوں نے قیصر و کسریٰ کی استبدادی حکومتوں کو تہس نہس کر دیا اور عدل و انصاف پر مبنی معاشرے کی تعمیر کے لیے اسلامی تعلیمات کو بروئے کار لاتے ہوئے قبائلی تفاخر اور دولت و ثروت کے بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ اقبال کو یقین ہے کہ آج بھی اگر مسلمان اسی جذبۂ ایمانی کو پیدا کر لیں تو کامیابی ان کا مقدر بن سکتی ہے۔

(۳)

۱۸۵۷ء کی ناکام جنگِ آزادی کے المناک نتائج میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس سانحہ نے ہمیں ایک مستقل نوعیت کے احساسِ کمتری میں مبتلا کر دیا۔ آج تک ہمارے بعض ناقدین اپنے مشاہیر کے فکری منابع کا کھوج لگانے کے لیے مغربی مفکرین کا حوالہ دے کر اپنے ذہنی افلاس کا ثبوت دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اقبال نے اسلامی شعائر کو اپنے اشعار کے قالب میں ڈھالا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ اگر انسان ان خداداد صلاحیتوں کو صحیح انداز میں بروئے کار لائے تو یہ امر یقینی ہے کہ کامیابیاں اور کامرانیاں اس کا مقدر بنیں گی۔ خود اعتمادی عزم و عمل کے لامتناہی جذبات کو جنم دیتی ہے۔ یہی خود اعتمادی یقین کی محرک بنتی ہے۔ یقین انسانی صلاحیتوں کو جلا بخشتا ہے۔ اقبال زندگی کو ایک جہدِ مسلسل قرار دیتے ہیں۔ زندگی کے مسائل انتہائی پیچ در پیچ ہیں جنہیں سلجھانے کے لیے انسان کو نہایت پُراعتماد انداز میں لائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے۔ قرآنِ حکیم میں بھی انسان کو سعیِ پیہم کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

"اور یہ کہ انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔"

(النجم: ۳۹)

اقبال کے شہرۂ آفاق تصورِ خودی کی اساس یقین ہے۔ خودی اقبال کے قصرِ عالی شان کا اہم ترین ستون ہے۔ اقبال کے آفتابِ شاعری کی ضیاؤں نے ذہنوں کی تاریکیوں کو منور کر دیا اور اعتماد کی وہ دولت فراہم کی جو زندگی کی شبِ تاریک میں قندیل ثابت ہوئی۔

قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی حقیقت سے آگاہ ہونے کا حکم دیا ہے اور اسے جو عزت کا مقام

دیا ہے اسے ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔

"ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو خشکی اور تری میں سواریاں مرحمت کیں اور ان کو پاک چیزوں سے رزق عطا کیا اور بہت سی اُن چیزوں پر جو ہم نے تخلیق کی ہیں ان کو ایک طرح کی فضیلت و شرفیت سے نوازا ہے۔"

(بنی اسرائیل: ۷۰)

"کیا انہوں نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم خشک افتادہ زمین کی طرف پانی بہا لے جاتے رہے۔ پھر اس کے ذریعے سے کھیتی پیدا کر دیتے ہیں جس سے ان کے مویشی کھاتے ہیں اور خود بھی۔ تو کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں؟"

(السجدہ: ۲۷)

فکرِ اقبال کا تابناک پہلو یہ ہے کہ انہوں نے فرد کو اپنی حقیقت سے آگاہ کیا اور یقینِ محکم کے مستحکم جذبے کے ذریعے اپنے مستقبل کو بہتر بنانے کے لیے فعال کردار ادا کرنے کی نصیحت کی۔ اقبال کے افکار قوتِ فکر کے لیے مہمیز کا درجہ رکھتے ہیں۔ یقین وہ جذبہ ہے جو مایوسیوں اور محرومیوں کی اذیت سے بچا کر انسان کو عملی زندگی میں فعال کردار ادا کرنے کے قابل بناتا ہے۔

آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں ذرا
دانہ تو، کھیتی بھی تو، باراں بھی تو، حاصل بھی تو
آہ، کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے
راہ تو، راہرو بھی تو، رہبر بھی تو، منزل بھی تو
کانپتا ہے دل ترا اندیشۂ طوفاں سے کیا
ناخدا تو، بحر تو، کشتی بھی تو، ساحل بھی تو
دیکھ آ کر کوچۂ چاکِ گریباں میں کبھی
قیس تو، لیلا بھی تو، صحرا بھی تو، محمل بھی تو
وائے نادانی کہ تو محتاجِ ساقی ہو گیا
مے بھی تو، مینا بھی تو، ساقی بھی تو، محفل بھی تو

قرآنِ حکیم میں انسان کو عملِ پیہم اور جد و جہد کا حکم دیا گیا ہے۔ کاہلی اور بے عملی موت کا دوسرا نام ہے۔ خدائے زندہ دراصل زندوں کا خدا ہے۔ مقصودِ فطرت بھی یہی ہے کہ انسان یقین کے ساتھ انتھک محنت کرے

شعار بنائے اور اپنی محنت کے ثمرات کے لیے اللہ تعالیٰ پر توکل رکھے۔ وہ قادرِ مطلق حق دار کو اس کا حق ضرور دیتا ہے۔ کسی کی محنت کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ مقامِ بندگی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ انسان اعتماد اور یقین کے ساتھ جدوجہد میں مصروف رہے۔ تکلیف دہ حالات میں بھی کسی کے آگے دستِ سوال دراز نہ کرنا چاہیے۔ اس طرح دراصل افلاس کو خوارتر کرنا کسی طور مستحسن نہیں ہے۔ یہ حاجت ہے جو شیروں کو روباہ بنا دیتی ہے۔

اقبال نے اس طرزِ فکر پر کڑی تنقید کی اور اس امر پر زور دیا کہ ہر حالت میں شخصی وقار اور انا کے تحفظ کو ملحوظ رکھا جائے۔ انسان اگر اپنی بے پناہ صلاحیتوں کا یقین کرلے تو اسے زندگی کے لاینحل مسائل کو حل کرنے میں کامیابی ہو سکتی ہے۔ فکرِ اقبال میں عرفانِ ذات پر خصوصی زور دیا گیا ہے ؎

ترا جوہر ہے نوری، پاک ہے تو
فروغِ دیدۂ افلاک ہے تو
ترے صیدِ زبوں افرشتہ و حور
کہ شاہینِ شہِ لولاک ہے تو

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ برِ صغیر کے مسلمانوں کو عزم و یقین سے محروم کرنے کے لیے سازشی عناصر نے ایک باقاعدہ منصوبہ بندی کی۔ استبدادی قوتوں کا یہ پرانا حربہ ہے کہ وہ مظلوموں کو مایوسی کی فضا میں اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتیں۔ یقین کی عدم موجودگی میں اعتماد کا تصور ہی عبث ہے۔ سانحہ ۱۸۵۷ء کے بعد دانستہ طور پر ایک مسلسل غیر یقینی فضا کو برقرار رکھا گیا۔ یہ ماحول استعماری طاقتوں کے مخصوص مفادات کے لیے ضروری تھا۔ یقین اور اعتماد سے جو غیر معمولی توانائی حاصل ہوتی ہے وہ طوفانوں کا رُخ موڑ دیتی ہے۔ باہمت اور پُر یقین اقوام اپنی راہ میں حائل ہر رکاوٹ کو اپنے پائے استقلال سے ٹھوکر مار کر ہٹا دینے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

خوش قسمتی سے مسلمانانِ برِ صغیر کو اس بے یقینی کی مسموم فضا سے نجات دلانے کے لیے قومی رہنماؤں نے بھرپور کردار ادا کیا۔ بالخصوص اقبال نے اس مقصد کے لیے جو فکری جہاد کیا وہ اپنے ہمہ گیر اثرات کی بدولت مسلمانوں کے لیے خضرِ راہ ثابت ہوا۔

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پرِ روح الامیں پیدا

یقین انسان کو حد درجہ فعال بنا دیتا ہے۔ یہ اندھیرے میں نورِ سحر کی مانند ہے۔ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے یقین لانے والوں کو خوشخبری سنائی ہے:

"یہ قرآن لوگوں کے لیے دانش مندیوں (کا سبب) اور ہدایت
(کا ذریعہ) ہے اور یقین لانے والوں کے لیے بڑی رحمت ہے۔"
(الجاثیہ: ۲۰)

اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مایوسی کس قدر غیر دانشمندانہ اندازِ فکر ہے۔ اللہ تعالےٰ کی رحمت سے ناامید ہونا کفر کے مترادف ہے۔ مایوسی درحقیقت انسانی وقار اور صلاحیتوں کی دھجیاں اڑا دیتی ہے۔ مایوسی انسان کو عضوِ معطل بنا دیتی ہے جبکہ یقین کے اعجاز سے انسان ناممکن کو بھی ممکنات کے دائرے میں لا سکتا ہے۔

اقبال نے ملتِ اسلامیہ کے عوارض کے لیے جو نسخہ تجویز کیا اس کی تاثیر کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ ملت نے ان کے اعجازِ بیاں پر یقین کیا اور خوابیدہ قوم کو بیدار کر کے انہوں نے ہنگامہ آرا ہونے پر آمادہ کیا۔ یہ یقین کے معجز نما اثرات تھے جن کی بدولت خود اعتمادی نے نمو پائی۔ ملت نے اقبال کے نالوں کو بانگِ درا سمجھا اور کاروانِ ملت منزل کی جانب جادہ پیما ہو گیا۔

یقیں افراد کا سرمایۂ تعمیرِ ملت ہے
یہی قوت ہے جو صورت گرِ تقدیرِ ملت ہے
یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں
ابھی صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں
بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں
ضمیرِ لالہ میں روشن چراغِ آرزو کر دے
چمن کے ذرے ذرے کو شہیدِ جستجو کر دے

ترے علم و محبت کی نہیں ہے انتہا کوئی
نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر سازِ فطرت میں نوا کوئی

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

مثلِ کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درختِ طور سے آتی ہے بانگِ لاتخف

کافر ہے تو ہے تابعِ تقدیر مسلماں
مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیرِ الٰہی

ترے مقام کو انجم شناس کیا جانے
کہ خاکِ زندہ ہے تو تابعِ ستارہ نہیں

ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
حیات ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں

جہاں میں بندۂ حُر کے مشاہدات ہیں کیا
تری نگاہ غلامانہ ہو تو کیا کہیے

مسلمِ خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آرا تُو بھی ہو
وہ چمک اٹھا افق، گرمِ تقاضا تُو بھی ہو

اقبال نے خودی کا جو نظریہ پیش کیا ہے اس کی بنیاد بھی توحید اور رسالت پہ یقین پر استوار ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انسان اپنی ذات کو بھی پہچانے، کیونکہ رب کو پہچاننے کے لیے یہ عمل ناگزیر ہے۔ اقبال نے اپنے افکار کے ذریعے بے عملی کے رجحان کا خاتمہ کرنے کی زبردست مساعی کیں۔ اخلاقی اور روحانی اقدار پر یقین وہ زبردست اعتماد عطا کرتا ہے جو انسان کو اپنی صلاحیتوں کو صحیح سمت بروئے کار لانے کے قابل بناتا ہے۔ اقبال نے ملّتِ اسلامیہ کو آپ اپنی تقدیر سنوارنے کے لیے کہا اور انہیں یقین دلایا کہ دنیا

کی کوئی طاقت مسلمانوں کی فکری نشاۃ الثانیہ کو روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ استحصالی قوتوں کو نوشتۂ دیوار پڑھ لینا چاہیے کہ جو قوم یقین کے ساتھ منزل کی جانب سرگرمِ سفر ہو، منزل اُس کی جانب خود بخود سمٹ آتی ہے۔ یقینِ انسانی خودی کو جلا بخشتا ہے ؎

از محبت چوں خودی محکم شود
قوتش فرماندۂ عالم شود
در خصوماتِ جہاں گردد حکم
تابعِ فرمانِ او دارا و جم

زندگی اور خطرات کا آپس میں گہرا ربط ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ عرصۂ زیست میں انسان کو دکھ نہ سہنے پڑیں اور اس کا واسطہ کسی کٹھن مرحلے سے نہ پڑے لیکن اولوالعزمی کا تقاضا یہ ہے کہ ہر حال میں خود اعتمادی اور یقین کے ساتھ ہر کٹھن آزمائش کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔ قرآنِ حکیم میں انسان کی معاش اور معاد کے متعلق نہایت قطعیت سے احکام موجود ہیں، جو ہمارے یقین کو پختہ تر کرتے ہیں ؎

پختہ تر ہے گردشِ پیہم سے جامِ زندگی
ہے یہی اے بے خبر رازِ دوامِ زندگی

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سرِّ آدم ہے ضمیر کُن فکاں ہے زندگی

خاکے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تُو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیرِ بے زنہار تُو

یہ گھڑی محشر کی ہے تُو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی، جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

سعیِ پیہم ہے ترازوئے کم و کیفِ حیات
تیری میزاں ہے شمارِ سحر و شام ابھی

کب تک طور پہ دریوزہ گری مثلِ کلیم
اپنی ہستی سے عیاں شعلۂ سینائی کر

حدیثِ بے خبراں ہے تو با زمانہ بساز
زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز

ترا تن روح سے نا آشنا ہے
عجب کیا آہ تیری نارسا ہے
تنِ بے روح سے بیزار ہے حق
خدائے زندہ زندوں کا خدا ہے

وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا
یہ سنگ و خشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے

بنتے ہیں مری کارگہِ فکر میں انجم
لے اپنے مقدر کے ستارے کو تو پہچان!

نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں

زندگی کے بارے میں اقبال کے افکار میں یقین و اعتماد کی جو جھلک نظر آتی ہے وہ بھی قرآن سے ماخوذ ہے۔ جب لاتخف کا یقین دلایا جائے تو پھر عزائم کا سینوں میں بیدار ہونا لازمی ہے۔ یہی یقین ہے جو خطرات سے آنکھیں چار کرنے کی جرأت عطا کرتا ہے ؎

میا را بزم ہر ساحل کہ آنجا
نوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا غلط و باموجش در آویز
حیاتِ جاوداں اندر ستیز است

منظم ذہنی وحدت یقین کو جنم دیتی ہے۔ اگر انسان نفس کی سرکوبی کو یقینی بنائے اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کو شعار بنائے تو وہ دنیا کی آلائشوں سے اپنا دامن بچا سکتا ہے۔

آج ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم مغرب کی نقالی کو ضروری سمجھتے ہیں لیکن ہمارے اسلاف کے لائق صد رشک کارناموں پر ہماری نظر نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس سے بڑھ کر فکر و نظر کی کوتاہی اور کیا ہو سکتی ہے۔ کردار کی عظمت کے لیے دولت و ثروت کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں بلکہ ایمان کی پختگی اور ایقان کی دولت انسان کو مفتخر کر سکتی ہے۔

قحط الرجال کے موجودہ دور میں جبکہ اخلاق اقدار اور ماضی کی تابندہ روایات کو پس پشت ڈالنا ایک فیشن بن چکا ہے، فکرِ اقبال ہمیں جھنجھوڑنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ اقبال کو یقین تھا کہ مسلمانوں میں راسخ العقیدہ لوگوں کا مشن ضرور رنگ لائے گا اور یہ بھٹکی ہوئی قوم پھر سوئے حجاز رواں ہوگی۔ مسائل کے گرداب میں پھنسی قوم اگر آج بھی اعتماد کے ساتھ آگے بڑھے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ غالب نہ آئے اور دکھوں کا دور اپنے انجام کو نہ پہنچے ؎

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی!

بے محنتِ پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا
روشن شررِ تیشہ سے ہے خانۂ فرہاد

افکارِ اقبال کی ضیا پاشیوں نے پوری دنیا پر وہ حقائق منکشف کیے جن کے فیض سے دنیا اقبال کے پیغام کی اہمیت سے آگاہ ہوئی۔ اشعار کے پیرائے میں اسلامی تعلیمات کی تبلیغ اور اخلاقی اقدار کا پرچار اقبال کا

عظیم الشان کارنامہ ہے۔ یہ ایک ایسا معجز نما کلام ہے جس سے ذہنوں کے دریچے وا ہوئے۔ اس خدمت میں کوئی ان کا شریک و سہیم نہیں۔

اقبال نے مغربی افکار کے زیر اثر نشو و نما پانے والی مخصوص ذہنیت اور مغربی اقدار کو کبھی لائق اعتنا تصور نہ کیا۔ وہ مغرب کی اندھا دھند نقالی کو ناپسند کرتے تھے۔ اس کی بجائے وہ اسلام کی آفاقی تعلیمات کو اہل عالم کے سامنے نہایت یقین اور کامل اعتماد کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ وہ بے باکی کے ساتھ مغربی اندازِ فکر کو ہدفِ تنقید بناتے ہیں۔ اُن کا اصرار ہے کہ آج بھی ہمیں اپنی شب کو سحر کرنے کے لیے حجاز کی طرف عناں تاب ہونا چاہیے۔

اقبال کو اندیشہ تھا کہ کہیں مسلمان مغربی تہذیب کی ظاہری چکا چوند سے مرعوب ہو کر اپنے عظیم الشان ماضی اور درخشندہ ثقافتی ورثے کو پسِ پشت نہ ڈال دیں۔ اہلِ مغرب کی ثقافتی یلغار کے سامنے اقبال نے پُر اعتماد انداز میں جدید علوم کی روشنی میں اسلام کی مؤثر تبلیغ پر زور دیا تاکہ اس زہر کا تریاق ہو سکے جو ذہنوں کو مسموم کرنے کا باعث بن سکتا ہے۔ وہ ملتِ اسلامیہ کی تابناک روایات اور جدید علوم کو ہم آہنگ کر کے ملی تعمیرِ نو پر زور دیتے ہیں۔

یورپ کے کھوکھلے معاشرے اور کم مایہ اقدار نے مذہب پر اقبال کے یقین کو مزید مستحکم کر دیا۔ اگرچہ وہ طویل عرصہ تک براہِ راست مغربی ماحول سے وابستہ رہے لیکن وہ اظہارِ حقائق میں کوئی تامل محسوس نہیں کرتے۔ اور مغربی تہذیب پر واشگاف الفاظ میں نکتہ چینی کے بعد کسی اعتذار کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ یہ اقبال کی عظمتِ کردار کا ارفع نمونہ ہے ؎

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

جرأت ہو نمو کی تو فضا تنگ نہیں ہے
اے مردِ خدا، ملکِ خدا تنگ نہیں ہے

غمیں نہ ہو کہ ابھی دور ہیں ابھی باقی
نئے ستاروں سے خالی نہیں سپہرِ کبود

عشق کے ہیں معجزات، سلطنت و فقر و دیں
عشق کے ادنیٰ غلام صاحبِ تاج و نگیں
عشق مکان و مکیں، عشق زمان و زمیں
عشق سراپا یقیں اور یقیں فتح باب

الٹ جائیں گی تدبیریں، بدل جائیں گی تقدیریں
حقیقت ہے، نہیں میرے تخیل کی یہ خلاقی
تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
ترے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی!

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں
یہاں سینکڑوں کارواں اور بھی ہیں
اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

عذابِ دانشِ حاضر سے باخبر ہوں میں!
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیل
غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؓ ابتدا ہے اسماعیلؑ
چھپنے کا جگر چاہیے شاہیں کا تجسس
جی سکتے ہیں بے روشنیِ دانشِ فرہنگ
کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ
بلبل فقط آواز ہے، طاؤس فقط رنگ

www.IqbalCyberLibrary.Net All Rights Reserved. 2002-2006

مذہب کے عمیق مطالعہ نے اقبال کے اس یقین کو اور پختہ کر دیا کہ مسلمانوں کے اتحاد کے لیے کام کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اسلامی قومیت کی تعمیر کے لیے علاقہ، رنگ اور نسل کا ہونا ضروری نہیں بلکہ اسلامی قومیت تو صرف قوتِ مذہب سے ہی مستحکم ہو سکتی ہے۔ اسلام نے سب سے پہلے سماجی انصاف، آزادیٔ اظہار اور حریتِ فکر کا درس دیا۔ اقبال کے نزدیک اخوت، امن، عدل و انصاف پر مبنی اسلامی معاشرے کی تشکیل انتہائی ضروری ہے تاکہ اسلامی اقدار کی ترویج و اشاعت میں کوئی امر مانع نہ ہو۔ جب تک جبر اور استحصال کا خاتمہ نہیں ہو گا فرد کی آزادی بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔

اقبال نے اس بات پر زور دیا کہ قوموں کی تقدیر بنانے اور سنوارنے کے لیے فرد کی خود شناسی ضروری ہے کیونکہ فرد کی اہمیت کو نظر انداز کرنا حقائق سے چشم پوشی کے مترادف ہے۔ ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ ہے۔

اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعے اپنے تعمیری نصب العین کا اس اعتماد اور یقین کے ساتھ اظہار کیا اور حقائق کو مدلل انداز میں بیان کیا کہ یورپ کے تنگ نظر اور متعصب مفکرین کا اسلام کے بارے میں منفی رویہ قابلِ استرداد ہو گیا۔

اقبال کو یقین تھا کہ ملتِ اسلامیہ کا اتحاد وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آج عالمِ اسلام کے مدبر اور دانشمند اس ضرورت کو محسوس کرتے ہیں۔ بلاشبہ آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس اسی سوچ کی غماز ہے۔ اقبال نے عالمِ اسلام کے اتحاد کا جو خواب دیکھا تھا یقیناً اب اس کے شرمندۂ تعبیر ہونے کا وقت آ گیا ہے ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لیکر تابہ خاکِ کاشغر

فکرِ اقبال توحید، رسالت اور قرآنِ حکیم پر یقین کا درس دیتی ہے۔ روزمرہ زندگی کے معمولات ہوں یا قومی اور معاشرتی مسائل، ہر حالت میں قرآن و سنت کو حکم قرار دینا ایمان کی نشانی ہے۔ اس موضوع پر کسی ردّ و قدح کی کوئی گنجائش سرے سے موجود نہیں۔

اطاعت کا تقاضا یہی ہے کہ کسی بھی مصلحتِ وقت کو خاطر میں نہ لایا جائے اور یقین کے ساتھ احکاماتِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا جائے کیونکہ کارگہِ زیست میں جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ اسی قادرِ مطلق کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ انسانی وہم و گمان کی وہاں تک رسائی ممکن ہی نہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"جو لوگ یقین نہیں رکھتے اللہ ان کے دلوں کو اسی طرح مہر کر دیا کرتا ہے
سو آپ صبر کیجئے بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور جو لوگ بے یقین
ہیں کہیں آپ کو بے برداشت نہ کر دیں۔" (لقمٰن: ۵۹-۶۰)

یہ یقین ہے جس کا قرآنِ حکیم میں متعدد مقامات پر ذکر موجود ہے۔ یہ یقین ہے جو حضورؐ کی زندگی کا نمایاں ترین وصف ہے۔ اسی کو اولیائے کرام نے اپنایا۔ اسی کو شہدا نے ذہن نشین کیا اور ہمیشہ کی زندگی سے فیضیاب ہوئے۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جہاں یقین کو کلیدی مقام حاصل نہ ہو کیونکہ اس کے بغیر زندگی، زندگی نہیں رہتی بلکہ بے عملی کا ایک ایسا کرب ناک منظر سامنے آتا ہے جو موت کی طرح روح فرسا ہوتا ہے۔

اقبال نے یقین اور استغراق کے ساتھ قرآنِ حکیم کے بحرِ معانی سے گہر ہائے آبدار نکالے۔ قرآن کا مدعا بیان کرتے ہوئے اقبال کے الفاظ یقین کی آمیزش سے دلوں کو مسخر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افکار کی بے کرانیت اور افادیت کے بارے میں کوئی اختلاف موجود نہیں۔ عہد بہ عہد ترقی کے دوش بدوش افکارِ اقبال کے مفاہیم میں نئی وسعت پیدا ہو رہی ہے اور اہلِ عالم نئے آفاق سے روشناس ہو رہے ہیں۔

زندگی کے مصائب اور آلام کا بیان ہو یا قوموں کے عروج و زوال کا، ملتِ اسلامیہ کی زبوں حالی کا ذکر ہو یا دشمنوں کی ریشہ دوانیوں کا، تذکرہ اقبال کا انداز بیان ہمیشہ پُر امید اور پُر یقین ہوتا ہے۔ کہیں بھی مایوسی کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ اقبال کے نزدیک ناامیدی، مایوسی اور بے یقینی نہ صرف انفرادی بلکہ قومی تعمیر و ترقی کی راہ میں بھی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال نے یقین کو ایک انتہائی فعال قوت کے طور پر پیش کیا۔ غم کی تاریکی میں بھی امید کی شمع جلانا اقبال کا محبوب انداز ہے ؎

شامِ غم لیکن خبر دیتی ہے صبحِ عید کی
ظلمتِ شب میں نظر آئی کرن اُمید کی
کب ڈرا سکتا ہے غم کا عارضی منظر مجھے
ہے بھروسا اپنی ملّت کے مقدّر پر مجھے
یاس کے عنصر سے ہے آزاد میرا روزگار
فتحِ کامل کی خبر دیتا ہے جوشِ کارزار
یادِ عہدِ رفتہ میری خاک کو اکسیر ہے
میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے

سامنے رکھتا ہوں اس دورِ نشاط افزا کو میں
دیکھتا ہوں دوش کے آئینے میں فردا کو میں
دیکھ کر رنگِ چمن ہو نہ پریشاں مالی
کوکبِ غنچہ سے شاخیں ہیں چمکنے والی
خس و خاشاک سے ہوتا ہے گلستاں خالی
گل بر انداز ہے خونِ شہدا کی لالی
رنگ گردوں کا ذرا دیکھ تو عنابی ہے
یہ نکلتے ہوئے سورج کی افق تابی ہے

کائنات میں تہذیبی ارتقاء کا سلسلہ ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔ تنازع للبقاء کی زبردست جدوجہد میں کامیابی انہی کا مقدر بنے گی جو یقین اور اعتماد کے ساتھ زندگی کے مصائب کا چیلنج قبول کریں گے اور ہر آزمائش کے سامنے سینہ سپر ہو جائیں گے۔ یقین وہ حیات بخش احساس ہے جو روشن مستقبل کا نقیب ہے۔ ظلم، استبداد، غربت، افلاس، بیماری اور ہر قسم کے استحصال کے خاتمہ کے لیے یقینِ محکم اشد ضروری ہے۔ ہر لمحہ مجبوریوں اور محرومیوں کا رونا رونے کے بجائے عزم و ہمت سے کام لے کر مسائل کی گتھی سلجھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

یقین خود اعتمادی کا محرک بنتا ہے جو انسان کو استغناء سے روشناس کراتی ہے۔ بلاشبہ یہ یقین جو کہ خود اعتمادی اور استغناء کو جنم دیتا ہے، انسانی خودی میں انقلاب برپا کر دیتا ہے ؎

تری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا
عجب نہیں ہے کہ یہ چار سُو بدل جائے

(۴)

آج انسان نے اپنے تخیل کی شادابی کے ذریعے اس عالمِ آب و گل کو اپنا جہان سمجھ لیا ہے چند روزہ حیاتِ مستعار میں دنیا کی رنگینیوں، رعنائیوں اور ہوسِ زر کا شکار ہو کر اپنے خالق سے غافل ہو جانا کوتاہ اندیشی کا ثبوت ہے۔

موت ایک اٹل حقیقت ہے۔ ہر انسان کو اس کا یقین ہونا چاہیے۔ قرآنِ حکیم میں زندگی کے حقائق سے

پردہ ہٹایا گیا ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ موت، آخرت اور قیامت پر یقین رکھنا ایمان کی شرط ہے۔ کائنات کی کوئی بھی چیز فنا کی دستبرد سے محفوظ نہیں۔ ہمیشہ رہنے والی ذات صرف اور صرف قادرِ مطلق کی ذات ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"زمین پر جو بھی ہیں سب فنا ہونے والے ہیں اور صرف آپ کے پروردگار کی ذات عظمت و احسان والی باقی رہ جانے والی ہے۔"

(الرحمٰن: ۲۵-۲۶)

"وہ زبردست حکمت والا ہے۔ اس کی سلطنت آسمانوں اور زمین کی ہے۔ وہی حیات دیتا ہے اور وہی موت دینے والا ہے۔ وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی اول ہے اور وہی آخر۔ وہی ظاہر ہے وہی باطن۔ اور وہی ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔" (الحدید: ۲-۳)

قیامت کے بارے میں سورۃ القارعہ میں صراحت کر دی گئی ہے کہ قیامت کے دن انسان بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح ہوں گے اور پہاڑ دُھنکی ہوئی اون کی طرح ہوں گے۔

اسلامی تعلیمات سے اس امر کا عندیہ ملتا ہے کہ انسان کسی لمحہ بھی موت سے غافل نہ ہو۔ زندگی کے حقائق کا تقاضا ہے کہ انسان موت کی حقیقت پر یقین رکھے۔

قرآنی احکامات کی روشنی میں جب ہم فکرِ اقبال کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ کلامِ اقبال اس موضوع پر بھی مفاہیمِ قرآن سے ہم آہنگ ہے۔

اقبال نے قطعیت اور یقین کے ساتھ زندگی کے حقائق پر بحث کی ہے۔ اقبال نے دنیا کی بے ثباتی کے ساتھ ساتھ اسے دارالعمل قرار دیا ہے جہاں انسان آخرت کے لیے زادِ راہ فراہم کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ یہاں اسے ایسے اعمال کرنے چاہییں جن کی بدولت نیکیاں اس کا مقدر بنیں۔ اگر ممکن ہو تو ایسے کارہائے نمایاں انجام دے کہ اس کا نام جریدۂ عالم پر ہمیشہ کے لیے ثبت ہو جائے۔

اقبال دنیاوی مال و دولت اور رشتہ و پیوند کو کوئی اہمیت نہیں دیتے بلکہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ زندگی کا ہر لمحہ کارِ خیر اور منشائے الٰہی کے مطابق گزرے تب حقِ بندگی ادا ہوتا ہے۔ دنیا میں انسان کا واسطہ کئی طرح کے مسائل سے پڑتا ہے لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ سب مصائب عارضی ہیں۔ ان کا ختم ہونا عین یقینی ہے۔

اقبال کے افکار میں یقین کا جو مستحکم انداز موجود ہے وہ ہر موضوع کو اپنے احاطہ میں لاتے ہیں۔

موت کا یقین زندگی کی صداقتوں پر ایمان کے مترادف ہے۔ اقبال کو یقین ہے کہ زندگی کا انجام موت ہے ؎

آہ یہ دنیا یہ ماتم خانۂ برنا و پیر
آدمی ہے کس طلسمِ دوش و فردا میں اسیر
کتنی مشکل زندگی ہے کس قدر آساں ہے موت
گلشنِ ہستی میں مانندِ نسیم ارزاں ہے موت
زلزلے ہیں بجلیاں ہیں قحط ہیں آلام ہیں
کیسی کیسی دخترانِ مادرِ ایام ہیں
کلبۂ افلاس میں دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں شہر میں گلشن میں ویرانے میں موت
موت ہے ہنگامہ آرا قلزمِ خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں
نے مجالِ شکوہ ہے نے طاقتِ گفتار ہے
زندگی کیا ہے اک طوقِ گلو افشار ہے

حیات بعد الموت کے موضوع پر اقبال کے خیالات قرآن حکیم کے احکامات کے عین مطابق ہیں۔ یہاں بھی یقین کی وہی روح کارفرما ہے جو فکرِ اقبال کا امتیازی نشان ہے۔ اقبال کا حیران کن فکری کارنامہ یہ ہے کہ موت کے تلخ موضوع پر بھی ان کے ہاں شگفتگی اور ندرتِ خیال کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ ان کے ہاں حوصلے اور امید کا جو حیات بخش تصور موجود ہے وہ یقین کا رہینِ منت ہے۔

زندگی کا ابدی مقام قادرِ مطلق کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اس عالمِ آب و گل کی ہر شے فنا کی زد میں ہے لیکن موت کے بعد ایک اور زندگی یقینی ہے ؎

تخمِ گل کی آنکھ زیرِ خاک بھی بے خواب ہے
کس قدر نشو و نما کے واسطے بے تاب ہے
زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے
خود نمائی، خود فزائی کے لیے مجبور ہے
سردیٔ مرقد سے بھی افسردہ ہو سکتا نہیں
خاک میں بھی دب کر اپنا سوز کھو سکتا نہیں

پھول بن کر اپنی تربت سے نکل آتا ہے یہ
موت سے گویا قبائے زندگی پاتا ہے یہ
ہے لحد اس قوّتِ آشفتہ کی شیرازہ بند
ڈالتی ہے گردنِ گردوں میں جو اپنی کمند
موت تجدیدِ مذاقِ زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے
اس سراب رنگ و بُو کو گلستاں سمجھا ہے تُو
آہ اے ناداں! قفس کو آشیاں سمجھا ہے تُو

ہر شے مسافر، ہر چیز راہی
کیا چاند تارے، کیا مرغ و ماہی

آنی و فانی تمام معجزہ ہائے ہُنر
کارِ جہاں بے ثبات، کارِ جہاں بے ثبات

اوّل و آخر فنا، باطن و ظاہر فنا
نقشِ کہن ہو کہ نو، منزلِ آخر فنا

یہ مال و دولتِ دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں، لا الٰہ الا اللہ

جہان کے کارِ دراز میں الجھ کر غفلت کا مظاہرہ کرنا درحقیقت ہلاکت کا پیش خیمہ بنتا ہے۔ یہ اندازِ فکر دین و دنیا میں انسان کو نقصان پہنچاتا ہے۔ فکر و نظر کی کوتاہی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو گا کہ وہ اپنے انجام سے بے خبر دنیاوی آسائشوں کے لیے سرگرداں ہے۔ خواہشات کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جو انسان کے پاؤں کی زنجیر بن جاتا ہے۔ تعجب ہے کہ انسان اس سے گلوخلاصی حاصل کرنے کے بجائے دنیا کی آسائشوں اور دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے اور بہتات کی حرص اسے غفلت کا اسیر بنا دیتی ہے۔

سورۃ التکاثر میں ارشادِ خداوندی ہے :

"دولت کی حرص نے تمہیں غافل کیے رکھا تا آنکہ تم قبرستانوں میں پہنچ جاتے ہو
ہاں ہاں تمہیں عنقریب معلوم ہو جاتا ہے۔ ہاں ہاں پھر تمہیں عنقریب
معلوم ہو جاتا ہے۔ ہاں اور ہاں کاش تم یقینی طور پر جان لو گے ــــ تم
یقیناً دوزخ دیکھ کر رہو گے، پھر یقیناً تم لوگ اسے ایسا دیکھنا دیکھو گے
جو خود یقین ہے۔ پھر اس روز تم سے ہر نعمت کی پوچھ ہو گی۔"

اقبال، مال و دولت دنیا پر اترانے کو ایک بہت بڑی غلطی تصور کرتے ہیں۔ کردار کی دولت زمان و مکاں پر حاوی ہے۔ انسانی زندگی کی ضروریات لامتناہی ہیں لیکن استغنا، انسان کو وہ دولت عطا کرتا ہے کہ انسان اپنا سر نگوں رکھتا ہے۔

یہی وہ معیار ہے جہاں ہوسِ زر کے تمام حربے انسان کے بائے استقلال میں لغزش پیدا نہیں کر سکتے۔ خود اعتمادی اور استغنا سے انسان کو زندگی کے تلخ حقائق سے آنکھیں چار کرنے کا حوصلہ اور جرأت عطا ہوتی ہے۔ اسی جرأت کو بروئے کار لا کر انسان اپنی عظمتِ کردار سے اپنے آپ کو معزز اور مفتخر کر سکتا ہے۔

یقین ایک ابدی حقیقت ہے۔

جب انسان اس حقیقت سے آشنا ہو جاتا ہے تو اس کی صلاحیتوں کا لوہا پوری دنیا مانتی ہے۔ جب منزل کا یقین ہو اور ارادے غیر متزلزل ہوں تو راستے میں مصائب و آلام کے پہاڑ بھی ہوں تو یقین کے ایک ہی وار سے وہ ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔

یقین زیرِ تیغ کلمۂ حق بلند کرنے کا نام ہے۔

یقین، حق کی حفاظت کے لیے باطل کے آگے سینہ سپر ہو جانے کا نام ہے۔

یقین، مصلحتِ وقت کو مسترد کر کے مصائب کی آگ میں بے خطر کود پڑنے کا نام ہے۔

باطل کے ہر حملہ بدلتے ہوئے حربوں کے سامنے اور ظلم کے ہولناک طوفان کے آگے لاشوں کے بند باندھنا یقین کا کام ہے ؎

حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیری!
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی

خالقِ کائنات نے تمام انسانوں کو برابر پیدا کیا لیکن مادی مفادات کے تابع گروہوں نے معیارِ شرافت بدل کر ادنیٰ اور اعلیٰ کی تفریق پیدا کر دی۔ یہ طبقاتی منافرت اور تقسیم اسلامی اخوت کے منافی ہے اور معاشرے پر

اس کے تباہ کن اثرات سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔ خود ساختہ معیار کی بھینٹ چڑھا کر انسانوں کو ان کے جائز مقام سے محروم کر دینا کہاں کا انصاف ہے۔ اسلام میں اونچ نیچ کا کوئی تصور نہیں۔ فضیلت کا معیار تو صرف اور صرف تقویٰ ہے۔ آج ہماری غربت و افلاس کا سبب ظالمانہ استحصالی نظام ہے۔ یہ نظام کہنہ ناقابلِ برداشت ہے۔ ہمیں اسلام کے نظامِ عدل کو اپنا کر ناانصافیوں اور استحصال کا خاتمہ کرنا ہوگا تاکہ پسماندہ طبقے پر عرصۂ حیات تنگ کرنے والوں کا احتساب ہو سکے۔

اقبال کو یقین ہے کہ مسلمانوں میں ملّی شعور موجود ہے۔ وہ مفاد پرستوں کے عزائم کو خاک میں ملا دیں گے اور سلطانیِ جمہور کے سیلِ رواں کے سامنے استبدادی قوتوں کے تمام حربے ناکام ہو جائیں گے ؎

اٹھ کہ خورشید کا سامانِ سفر تازہ کریں
نفسِ سوختۂ شام و سحر تازہ کریں

جب اخلاقی اقدار اور اسلامی تعلیمات کو طاقِ نسیاں کی زینت بنا دیا گیا تو معاشرے میں متعدد برائیاں جڑ پکڑ گئیں۔ ہم اپنی خواہشات کے بُتوں کے ہاتھوں مجبور ہو گئے ہیں اور خالقِ کائنات کی رحمت سے ناامید ہو کر ذہنی افلاس کا ثبوت دیتے ہیں۔ ابتلا اور آزمائش کے دور میں پروردگارِ عالم کے حضور اس یقین کے ساتھ سجدہ ریز ہونا چاہیے کہ سوائے اس ہستی کے اور کوئی میرے مسائل کے حل کی قدرت نہیں رکھتا۔ ارکانِ اسلام پر عمل پیرا ہو کر ہم تمام معاشرتی برائیوں کو جڑ سے اکھاڑ سکتے ہیں۔ ہماری فلاح کا یہی ایک ذریعہ ہے۔

قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فلاح پانے والوں کے اوصاف اس طرح بیان کیے ہیں:

"جو نماز کی پابندی کرتے رہتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں اور آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں"۔ (النمل: ۳)

بلاشبہ زندگی کے مسائل اس قدر گمبھیر ہیں کہ بعض اوقات انسان سراسیمگی کا شکار ہو جاتا ہے لیکن یقین ہر قسم کے خوف و ہراس سے نجات دلاتا ہے۔ حتیٰ کہ یقین کی دولت سے مالا مال انسان موت سے بھی خوفزدہ نہیں ہوتا۔ مردانِ حُر جو یقین کے ساتھ اپنی جدوجہد کا آغاز کرتے ہیں، کامیابی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ یقین ظلم و استبداد پر مبنی تمام قوانین مسترد کر کے ناانصافیوں کے سامنے ڈٹ جاتا ہے۔

کلامِ اقبال میں یقین کا جو مفید المثال تصور موجود ہے اس کا تعلق براہِ راست انسانی کردار سے ہے۔ اس تصور کی بنیاد توحید اور رسالت پر استوار کی گئی ہے۔ اگر ہم احکاماتِ الٰہی پر پختہ یقین رکھیں تو یہ امر ہمارے لیے فلاحِ دارین کا ذریعہ بھی ہوگا اور ہماری سیرت و کردار کی مؤثر تعمیر کا وسیلہ بھی۔

اقبال نے واضح کیا ہے کہ یقین محکم ایک ایسی قوت ہے جس کی بدولت انسان موت پر بھی غالب آجاتا ہے۔ تاریخ میں ایسی متعدد مثالیں موجود ہیں جب انسان نے اپنے یقین کے زور سے غیر یقینی حالات کا خاتمہ کر دیا اور ہمیشہ کے لیے امر ہو گئے ؎

موسیٰؑ و فرعون و شبیرؓ و یزید
این دو قوت از حیات آمد پدید
زندہ حق از قوتِ شبیریؓ است
باطل آخر داغِ حسرت میری است
بر زمینِ کربلا بارید و رفت!
لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت!
تا قیامت قطعِ استبداد کرد
موجِ خونِ او چمن ایجاد کرد
بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے "لا الٰہ" گردیدہ است
نقشِ الا اللہ بر صحرا نوشت
سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت
رمزِ قرآں از حسینؓ آموختیم
ز آتشِ او شعلہ ہا اندوختیم
مردِ حُر محکم ز وردِ لاتخف
ما بمیدان سر بجیب او سر بکف
مردِ حُر از لا الٰہ روشن ضمیر
می نہ گردد بندۂ سلطان و میر
ما گدایاں کوچہ گرد و فاقہ مست
فقرِ او از لا الٰہ تیغے بدست
از شریعت احسن التقویم شو
وارثِ ایمانِ ابراہیم شو

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
2002-2006 ©

ملتِ اسلامیہ کے لیے اقبال کے افکار جو امید اور ایقان سے مرصع ہیں تا ابد ذہنوں کو جلا بخشتے رہیں گے۔

اقبال نے مسلمانوں کے معاشرتی عیوب اور سماجی نقائص کا کھوج لگایا اور ان امراض کے لیے جو نسخہ تجویز کیا وہ ہر دور میں قابلِ عمل ہو سکتا ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ فکرِ اقبال میں یقین کی ضرورت پر جتنا زور دیا گیا ہے اسے جدید عصری تقاضوں کے تناظر میں دیکھا جائے۔ فکرِ اقبال ہر عہد کی ضروریات پر پورا اترنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس وقت عالمِ اسلام جن خطرات کے نرغے میں ہے ان کا تقاضا ہے کہ ہم یقین اور اعتماد کے ساتھ مربوط انداز میں قومی استحکام اور ملی یک جہتی کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لائیں۔

آج ہم اکیسویں صدی کی دہلیز پر کھڑے ہیں۔ ہمیں اپنے بزرگوں کے افکار کی قندیل کو فروزاں رکھنا ہوگا۔ یہی ہمارا تہذیبی اور ثقافتی ورثہ ہے۔ قومی مفاد کو ذاتی مفادات پر ترجیح دینے سے قومی کردار کے تعین میں مدد ملے گی۔ ہمیں اپنے روشن مستقبل کا یقین ہونا چاہیے۔ دنیا کی کوئی طاقت عالمِ اسلام کی اجتماعی قوت کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی، بشرطیکہ مسلمان عمل کے ساتھ اپنے تمام وسائل بروئے کار لا کر اسلامی نشاۃ الثانیہ کے لیے سرگرمِ عمل ہو جائیں۔ نیل کے ساحل سے لے کر خاکِ کاشغر تک اتحادِ بین المسلمین وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

عالمِ اسلام یقیناً مستقبلِ قریب میں افقِ عالم پر ایک مؤثر اور فعال قوت کی حیثیت سے ابھرے گا۔ یہی اقبال کا خواب ہے اور آج یہی اقتضائے وقت بھی ہے۔

ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

○